باب۔ ۱۴

ترجمہ

فص عزیریہ

حکمت قدریہ

واضح ہو کہ قضا کیا ہے۔؟ اشیا میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ اشیا میں وہی حکم فرمائے گا جس طرح کہ اس نے اشیا کو اور ان کے اقتضاءٰت ولوازم کو جانا، اور اشیا و حقائق و اعیان ثابتہ نے وہی علم دیا اور اسی طرح معلوم ہوئے جیسے نفس الامر میں وہ تھے۔۔۔ اور قدر کیا ہے۔؟ قضا کی تفصیل ہے۔۔۔ جیسا جیسا وقت آتا جائے گا عین ثابتہ کی حالت و اقتضا کے مطابق عینِ خارجی کو حالت و کیفییت و حکم دیا جائے گا۔ نہ کم، نہ زیادہ۔ موجود عینِ خارجی کے احکام بالکل عین ثابتہ کے اقتضاءٰت کے موافق ہوں گے۔

پس قضائے اشیا پر وہی احکام جاری کیے جو ان کے عین ثابتہ کے اقتضا کے موافق تھے۔ اور یہی سرّ قدر اور رازِ تقدیر ہے۔ قدر کیا ہے۔؟ وقت نامہ، نظام العمل، پروگرام ہے دنیا کا۔ دنیا میں وہی نمایاں ہوتا ہے جو تقدیر میں تھا۔ حقائقِ اشیا کا مقتضی تھا۔ سرّ قدر اسی کو معلوم ہوتا ہے جو دلِ آگاہ رکھتا ہو، اور کان لگا کر اقتضاءٰتِ اشیا کو سنتا ہو۔ جس کو وہ زبانِ حال سے بتلا رہے ہوں اور جن کا اس کو شہود نصیب ہو۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے حق ہے، درست ہے۔قُلْ فَلِلّٰـهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ، (یعنی) اللہ کی دلیل اور اس کی حجت بھرپور ہے، کامل ہے،(الانعام:۱۴۹)۔ ایک تحقیقی نظر ڈال کر دیکھو تو معلوم ہو گا کہ حاکم جس مسئلے میں حکم دیتا ہے وہ شئے کے اقتضا کا تابع ہوتا ہے۔

پس محکوم علیہ، حاکم کا حاکم ہے کہ مجھ پر اس طرح حکم لگاؤ۔ پس حاکم، اشیا پر حکم لگانے میں محکوم کا محکوم ہے۔ دیکھو حاکم، محکوم ہو گیا اور محکوم، حاکم۔ سرّ قدر اس قدر صاف اور واضح ہے کہ اپنی شدّتِ ظہور کی وجہ سے مستور ہو گیا ہے، اور لوگوں کی طلب اور الحاح (یعنی دباؤ) بڑھا گیا ہے۔۔۔ دیکھو! ہر شخص جانتا ہے کہ

جیسی استعداد ہوتی ہے ویسی ہی اس پر صورت آتی ہے۔ گھوڑے کے نطفے پر ہاتھی کی صورت نہیں آتی۔ انار کے دانے سے آم کا درخت نہیں اگتا۔ حنظل (اندرائن کا پھل جو دیکھنے میں تو بہت خوبصورت ہے لیکن مزے میں) کڑوا ہے، (اور) لیموں کھٹا ہے، تو اس کے خالق پر کیا الزام۔ جیسی حقیقت تھی ویسا ہی خدا نے اس کو پیدا کیا، نمایاں کیا۔ ابدی کافر کبھی ایمان نہ لائے گا۔ معصوم پیغمبر کبھی گناہ نہ کرے گا۔ نو مسلم کی فطرت والا پہلے کفر میں مبتلا ہو گا، پھر اسلام لائے گا۔ مرتد پہلے مسلمان رہے گا پھر کفر کرے گا۔ غرض یہ کہ:

دیتا ہے ہر ایک کو حکیم جس کی جیسی فطرت ہے
وہی نمایاں ہوتا ہے جس کی جیسی فطرت ہے

واضح ہو کہ رسل صلوات اللہ و سلامہٗ علیہم میں، دو اعتبار ہیں۔ ایک حیثیتِ رسالت، امت کی طرف تبلیغِ احکام کی۔۔۔ دوم حیثیت ولی و مقرب الی اللہ و عارف باللہ کی۔ بحیثیت تبلیغ و رسالت کے، امت کو جس قدر ضرورت ہوتی ہے اتنے ہی اور اسی کی مناسبت سے اس کے رسولوں کو علم اور احکام دیے جاتے ہیں۔

یہ آپ کو معلوم ہے کہ بعض امتیں بعض سے افضل ہیں۔ جیسے امتِ محمدیؐ، کہ اس کے لیے وارد ہوا ہے، كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ [(یعنی) تم بہترین جماعت میں سے ہو، (اٰل عمران:۱۱۰)]۔ پس بعض رسولوں کا بعض رسولوں پر ارسالِ احکام میں موافق ان کی امتوں کے، باہمی فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ، (یعنی) یہ تمام رسل، ہم نے ان میں کے بعض کو بعض پر فضیلت دی، (البقرۃ:۲۵۳)۔ چوں کہ امّت محمدیؐ، افضل الامم ہے اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تبلیغِ احکام اور شانِ رسالت میں دوسرے رُسل سے اعلیٰ و افضل ہیں۔

دوسری حیثیت، یعنی معرفت و قربِ ولایت کے لحاظ سے جو ان کے نفوسِ قدسیہ و ذاتِ عالیہ کی طرف رجوع کرتی ہیں، اس میں بھی ان کی استعداد کے موافق علوم و احکام میں متفاضل اور بعض بعض سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ، (یعنی) ہم نے بعض انبیا کو بعض سے افضل بنایا ہے، (الاسراء:۵۵)۔ اور اللہ تعالیٰ خلق کے متعلق فرماتا ہے۔ وَاللَّـهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ، (یعنی) اللہ نے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی، (النحل:۷۱)۔

رزق دو قسم کا ہے۔ (۱) رزقِ روحانی، جیسے علوم و معارف، اور (۲) رزق حسّی، جیسے غذائیں۔ اللہ تعالیٰ اندازے ہی سے رزق کو اتارتا ہے۔ اندازہ کیا ہے؟ خلق کی استعداد اور اس کی طلب۔۔۔ خواہ

استعداد و قابلیت، انبیا و اولیا کی ہو یا اور اشخاص کی۔ اللہ تعالیٰ ہر شئے کی حقیقت کے موافق ہی اس کو خلق کرتا اور پیدا فرماتا ہے، اور اندازے ہی سے اتارتا ہے، جو چاہتا ہے۔۔۔ اور چاہتا وہی ہے جیسا جانتا ہے۔ پھر اسی پر حکم کرتا ہے۔ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ جانتا وہی ہے جیسی چیز اور معلوم ہے، اور جیسا کہ اس نے خود کو بتلایا۔ غرض یہ کہ توقیت و تعیین (یعنی وقت کا تعین اور صفات کی تفصیل)، معلوم اور حقیقتِ شئے کی طرف سے ہے۔ اور قضا یعنی اس کا موجود فی الخارج کرنا (اور) علم (و) ارادۂ مشیّت یہ سب قدر و تقدیر اور نظام العملِ عالم کے تابع ہیں۔ پس سرّ قدر، اجلّ علوم (یعنی وقتِ مقررہ پر ہونے) اور افضل معارف سے ہے۔

مگر سرّ قدر کی فہم اسی کو عطا ہوتی ہے جس کو خدا معرفتِ تامہ سے خاص کرتا ہے۔ سرّ قدر کا علم، عالم کو راحتِ کلّی دیتا ہے اور عذابِ الیم بھی۔ پس سرّ قدر نقیضین (یعنی مخالف) اور متضاد امروں کو دیتا ہے۔

اسی سرّ قدر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خود کو غضب و رضا سے موصوف کیا۔ اچھی فطرت والے سے راضی اور بری طبیعت والے پر غضب کرتا ہے۔ اسی کی وجہ سے اسمائے الٰہیہ میں تقابل ہے۔ لہٰذا حقیقتِ سر قدر یعنی اقتضائے اعیان ثابتہ اور ان کی استعداد موجودِ مطلق پر یعنی حق تعالیٰ پر بھی حکم لگاتی ہے۔ اور وہ حسبِ اقتضائے اعیان، اسمائے جلالیہ و جمالیہ سے موصوف ہوتا ہے۔ جیسے، ہادی و مضل رؤف و رحیم (اور) منتقم و قہار۔ نیز حسبِ اقتضائے حقائق و اعیانِ موجود و مقید، یعنی مخلوقات پر بھی حکم کرتی ہے کہ وہ سعید ہیں یا شقی، مومن ہیں یا کافر۔ غرض کہ کوئی شئے حقیقتِ سرّ قدر، اقتضا اور استعداد سے نہ کامل تر ہے، نہ قوی تر (اور) نہ بزرگ تر۔ اس لیے کہ اُس کا حکم ہر شئے کو شامل ہے۔ خواہ متعدی ہوں، جیسے فعل و انفعال۔ خواہ غیر متعدی ہوں، جیسے علم و حکمت اور دوسرے کمالاتِ نفسانی۔۔۔ انبیا صلوات اللہ علیہم اپنے علوم حاصل کرتے ہیں تو وحیِ خاصِّ الٰہی سے۔ کیوں کہ ان کو معلوم ہے کہ عقلِ انسانی اپنی نظر فکری اور تفحص و استقرا میں (یعنی کھوج اور تلاش میں)، ادراکِ حقائق اور دریافتِ امور سے، جیسے کہ وہ نفس الامر و واقع میں ہیں، عاجز ہے۔ لہٰذا ان کے قلوبِ مقدسہ، نظر عقلی سے سادہ اور خالی ہیں۔ صرف اخبارِ الٰہی سے بھی وہ چیز حاصل نہیں ہوتی، جو ذوق اور عین الیقین و حق الیقین سے حاصل ہوتی ہے۔ جب نہ عقل سے علم کامل ہوتا ہے نہ اخبار سے، تو حق الیقین اور علم کامل صرف تجلیِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے، اور اس امر سے کہ اللہ تعالیٰ چشم بصیرت و بصارت سے پردے اٹھادے اور چشم حق میں حقائقِ اشیا اور اعیان ثابتہ کو کما حقہٗ ادراک کرے کہ وہ اشیا قدیم ہیں یا جدید، معدوم ہیں یا موجود (اور) ممکن و جائز ہیں یا واجب۔

بعض غیر صحاح اخبار و روایات میں ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے جو بیت المقدس میں سکونت پذیر تھے، جب بخت و نصر نے اس کو تباہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اس قریے کو یعنی بیت المقدس کو کیوں کر زندہ و آباد کرے گا۔ چوں کہ اس کا مقصد بطور حق الیقین کے علم حاصل کرنا نہ تھا، لہٰذا ان پر عتاب ہوا کہ ایسا کرو گے تو تمھارا نام دفتر انبیا سے مٹا دیا جائے گا۔ بعض روایتوں کی بنا پر حضرت عزیر علیہ السلام کا یہ قول، أَنّٰى يُحْيِي هَـٰذِهِ اللَّـهُ بَعْدَ مَوْتِهَا، {یعنی} اللہ اس شہر کے مرنے کے بعد پھر کیوں کر زندہ کر دے گا، (البقرۃ:۲۵۹)، ان کی سادہ دلی پر دلیل ہے۔

شیخؒ کہتے ہیں کہ، اوّل یہ صحیح ہی کب ہوا کہ یہ قول حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے۔ فرضاً یہ قول حضرت عزیرؑ کا ہو بھی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے (البقرۃ کی آیت ۲۶۰ کے مطابق) حضرت ابراہیم کا قول، رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ، (یعنی) اے پروردگار! مجھے دکھادے کہ تو مُردوں کو کس طرح جِلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، أَوَلَمْ تُؤْمِن، (یعنی) کیا تجھے یقین نہیں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا، بَلَىٰ وَلَـٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي، (یعنی) {ابراہیمؑ نے عرض کیا} کیوں نہیں، مگر {یہ سوال اس لیے کرتا ہوں کہ تیری آیاتِ قدرت کو دیکھ کر} میرے دل کو اطمینان ہو۔۔۔ علم الیقین، عین الیقین میں بدل جائے۔

عزیر علیہ السلام کے اس سوال کا جواب قولی نہ تھا، بلکہ فعلی تھا۔ اظہارِ قدرت تھا، جو عزیرؑ کو خود ان میں فعل کر کے بتایا گیا۔ فَأَمَاتَهُ اللَّـهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ، (یعنی) اللہ نے ان کو {عزیرؑ کو} سو سال تک مار ڈالا، پھر ان کو زندہ کیا، (البقرۃ:۲۵۹)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عزیرؑ سے فرمایا، وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا، {یعنی} ذرا گدھے کی ہڈیوں کو تو دیکھو، ہم اس کو کس طرح ملاتے ہیں، جماتے ہیں، پھر ان پر گوشت پہناتے ہیں، (البقرہ:۲۵۹)۔ عزیر علیہ السلام نے چشم تحقیق سے معائنہ کر لیا کہ گوشت کیوں کر پیدا ہوتا ہے۔ جب اخبارِ الٰہی سے علم الیقین حاصل کر چکے، جب خود کے مرنے کے بعد زندہ ہونے، اور اپنی سواریِ دراز گوش (یعنی گدھے) کے مر کر زندہ ہونے کو معائنہ کر لیا اور عین الیقین تک پہنچ چکے، تو آپ نے حق الیقین حاصل کرنے کے لیے 'قدر' سے سوال کیا۔ قدر کا علم تو صرف خدائے تعالیٰ کو ہے، جو حقائق اشیا کو موجود فی الخارج ہونے سے پہلے {یعنی حالِ عدم میں} جب کہ اشیا صرف علم الٰہی میں ہیں، جانتا ہے۔ یہ، یعنی علم اعیان ثابتہ، عزیر علیہ السلام کو نہیں دیا گیا۔ اس لیے کہ (علم اعیان ثابتہ) علم الٰہی کے خواص سے ہے (اور ناممکن و) محال ہے کہ اللہ کے سوا، مخلوق اس کو جانے۔۔ اعیان ثابتہ، خزائنِ الٰہی کی ابتدائی کنجیاں ہیں۔ یا خزانے ہیں غیب کے

جن کو اللہ کے سوائے کوئی اور جان نہیں سکتا۔وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ،[(یعنی)اُس کے {یعنی اللہ کے} پاس غیب کی کنجیاں ہیں {غیب کے خزانے ہیں} ان کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا،(الانعام:۵۹)]۔ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قبل وجودِ خارجی، بعض امور سے مطلع فرما دیتا ہے۔ حقیقتاً یہ بھی ایک قسم کے اخبار میں داخل ہے۔ راست عین ثابتہ کا علم نہیں ہے۔ واضح ہو کہ اعیان کا نام "مفاتیح یا غیب کی کنجیاں" اس وقت دیا جاتا ہے جب وقتِ فتح ہو، حالِ انکشاف ہو (اور) زمانۂ ادراک ہو۔ یہ حالِ فتح کب ہوتا ہے۔۔؟ ٹھیک تعلقِ ایجاد کے وقت، عین پیدا کرنے کے وقت (یا) اشیا سے تعلقِ تکوین کے حال میں ۔۔۔ چاہو تو یوں کہو کہ تعلقِ قدرت مقدور کے ساتھ۔۔۔ بہر حال عین تخلیق کے وقت مخلوق سے ہوتا ہے۔

پس تعلقِ قدرت کے وقت جو علم و ذوق و تجلی ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے خاص ہے لہٰذا ایسی تجلی و کشف کسی بندے کو نہ ہوگا۔ کیوں کہ قدرت تخلیق وایجاد اور اعطاے وجود، اللہ تعالیٰ سے خاص ہے۔وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّـهُ،(یعنی)ذرا ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا، وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ،(لقمان:۲۵ اور الزمر:۳۸)۔ اس لیے کہ وجودِ مطلق، جو کسی قید سے مقید نہیں، وہ اللہ کا خاصّہ ہے۔

جب دیکھا گیا کہ سوالِ قدر میں عزیر علیہ السلام پر کچھ عتاب سا معلوم ہوتا ہے تو ہم نے جانا کہ انھوں نے اطلاعِ ذوقی و ادراکِ کیفیت ایجاد سے سوال کیا اور اُس کو طلب کیا تھا۔ حقیقت میں عزیرؑ نے وہ قدرت طلب کی تھی جو وقت تخلیق سے پہلے ہوتی ہے۔ حالاں کہ یہ اقتضا اور خاصّہ صاحب وجود مطلق کا یعنی اللہ تعالیٰ کا ہے۔(وَاللَّـهُ)خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (یعنی، اللہ ہی نے) تم کو تمھارے کاموں کو خلق کیا، پیدا کیا، (الصافات:۹۶)۔ پس عزیرؑ نے ایسی چیز طلب کی جس کا ہونا، جس کے وجود، جس کے ذوق کا ممکنات و مخلوقات میں پایا جانا محال ہے، غیر ممکن ہے۔ کیوں کہ کیفیات بغیر ذوق کے معلوم ہی نہیں ہو سکتے۔ بخدا تا نہ چشی کے دانی (جب تک تو چکھے گا نہیں، تو جان نہیں سکتا)۔ دیکھو یہ سن کر یقین رکھنا کہ آگ جلانے والی ہے، علم الیقین ہے۔ کسی کو جلتے دیکھنا، عین الیقین ہے۔ جلنے والے پر کیا گذری اس کو اس کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا۔

یہ جو مشہور ہے کہ اس سوال پر اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام پر وحی کی (کہ) اگر تم سوال سے باز نہ آؤ گے تو تمھارا نام دیوان و دفتر نبوت سے محو کر دوں گا۔ اس کے معنی شیخ (ابن عربیؒ) فرماتے ہیں کہ یہ نبوت کا طریقہ جو اخبار و وحی پر منحصر ہے وہ اس طریقِ ذوقی کے وقت نہیں رہے گا۔۔۔ بلکہ صرف جانبِ ولایت باقی رہے گی۔ یعنی قربِ الٰہی اور تجلی سے علوم حاصل ہوں گے۔ تجلی و کشف تمھاری استعداد و قابلیت کے موافق ہوتا ہے، کیوں کہ ادراک (اور) علم ذوقی و وجدانی سب ہر شخص کے حسب استعداد و موافقِ قابلیت ہوتا ہے۔

جب تم پر تجلی ہو گی، کشفِ ذوقی ہو گا تو تم اپنے حسبِ استعداد دیکھو گے اور پاؤ گے۔ جب تم ذوق سرّ قدر پر جو مطلوب ہے غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ تم جس کے طالب ہو یعنی علم ذوقیِ سرّ قدر، اس کی استعداد تم میں نہیں ہے، اور یہ کہ وہ خصائص ذات الٰہیہ سے ہے۔

یہ تو تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے کو اس کی استعداد و فطرت کے موافق تخلیق عطا کرتا ہے، پیدا کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ذوق سرّ قدر کی استعداد نہیں دی تو معلوم ہوا کہ یہ تمھاری استعداد، قابلیت سے خارج ہے۔ اگر تمھاری تخلیق میں (یا) فطرت میں ایسی استعداد ہوتی تو حق تعالیٰ تم کو ضرور عطا فرماتا۔ اس لیے کہ وہ فرماتا ہے، أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ، {یعنی} ہر شئے کو اس کے لائق تخلیق عطا فرماتا ہے، (طٰہٰ:۵۰)۔ جب واقعہ یہ ہے تو تم خود اُس وقت ایسا سوال نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کے منع فرمانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ دیکھو! لوگ جس کو عزیرؑ پر عتاب سمجھے تھے وہ تو اللہ تعالیٰ کی ان پر بڑی عنایت نکلی۔ میں جو کہہ رہا ہوں اس کو جس نے جانا، جانا (اور) جس نے نہ جانا، نہ جانا۔ واضح ہو کہ ولایت و قربِ حق ایک فلکِ محیط اور عام ہے کہ ولی، رسول و نبی اور معمولی ولی بلکہ ہر مسلمان پر ایک لحاظ سے صادق آتا، اور اللہ تعالیٰ پر بھی لفظ ولی صادق آتا ہے۔ لہٰذا ولایت و قربِ الٰہی کبھی ختم و منقطع نہ ہو گا۔ ولایت کو بالعموم اسرار و دقائق سے عارف ہونا لازم ہے۔ یہ اسرار و معارف سے واقف ہونا لغوی نبوت ہے۔ اور عرف شارع میں نبی بمعنیٰ صاحبِ وحی آتا ہے۔ نبوتِ لغوی، نبوتِ شرعی سے عام ہے۔ اور نبوتِ تشریعی و رسالت بمعنیٰ صاحبِ وحی و احکام و صاحبِ اوامر و نواہی، وہ منقطع ہے۔۔۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔۔۔ نہ نبی اوالعزم (اور نہ) صاحبِ شریعت مستقل، جیسے موسیٰ علیہ السلام۔ نہ نبیِ تابع صاحبِ شریعت، جیسے عیسیٰ علیہ السلام، تابعِ موسیٰ۔ اب کوئی بالاستقلال صاحبِ شریعت نہ آئے گا۔

لا نبی بعدی، [(یعنی) میرے بعد کوئی نبی نہیں (سنن ابن ماجہ، سنن الترمذي، صحيح البخاري، مسند احمد)] کی حدیث نے تو (جیسے) اولیا کی کمر توڑ دی۔ اس لیے کہ اس سے ذوقِ عبودیت کاملہ کا انقطاع (یا ختم ہو جانا) نکلتا ہے۔ اس وجہ سے کہ جو اسم بندۂ کامل کے ساتھ خاص ہے، وہ لفظ نبی و رسول ہے۔ لفظ عبد میں کامل و غیر کامل سب شریک ہیں۔ بندہ چاہتا ہے کہ اپنے آقا یعنی اللہ سے ممتاز رہے۔ اس کا کمال عبدیت نمایاں رہے۔

اس لیے کہ اللہ کو نہ نبی کہہ سکتے ہیں نہ رسول۔ ولی تو اللہ کا بھی اسم ہے۔ وہ فرماتا ہے، اللّـٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا، (یعنی) اللہ ایمان داروں کا ولی ہے، آقا ہے، (البقرۃ:۲۵۷)۔۔۔ اور فرماتا ہے، وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ، (یعنی) وہ لائقِ تعریف ولی ہے، (الشوریٰ:۲۸)۔ ولی کا لفظ دنیا و آخرت سب میں اللہ کے بندوں پر جاری و باقی رہتا ہے۔

نبوت و رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع و ختم ہو گئی اور وہ اسم باقی نہ رہا جو صرف عبدِ کامل پر کہا جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ پر اطلاق نہیں کیا جاتا، یعنی "رسول و نبی"۔۔۔ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، العلماء ورثۃ الانبیاء، (یعنی) علما، انبیا کے وارث ہیں (سنن الترمذي، سنن ابي داود، فتح الباري، المنتقى شرح موطأ مالک)۔ نبوت و رسالت جب باقی نہ رہی تو وراثت میں کیا ملا۔! نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان و لطف فرما ہے۔ جب نبوتِ خاصّہ و رسالتِ خاصّہ باقی نہ رہی، جو عرف شرع میں مراد ہے تو اللہ تعالیٰ نے نبوتِ عامہ یعنی عرفان و معرفت اسرار الٰہیہ کو باقی رکھا۔ جو لغوی نبوت ہے، یہ معرفت الٰہی و نبوتِ لغوی وارثان کو ملتی ہے جس میں تشریع نہیں ہے۔ اور تشریع بھی ثبوتِ احکام میں بطور اجتہاد کے ملی۔ پس تشریع میں سے بھی ایک قسم کی وراثت مل ہی گئی۔ حضورؐ نے فرمایا، العلماء ورثۃ الانبیاء۔ یہ میراث کیا ہے۔؟ وہی اجتہاد فی الاحکام جو پرتَو تشریعِ نبی ہے۔

نبی کو جب تشریع و ناموس و احکام کے سوائے دوسرے موضوع و مقصد پر کلام کرتے دیکھو تو خوب سمجھ لو کہ یہ بحیثیت نبی کے نہیں ہے، بلکہ بحیثیت ولی و مقربِ الٰہی کے ہے، اور یہ کلام تشریعی نہیں ہے بلکہ عرفانی ہے۔ اسی لیے نبی کی عالم و عارف اور ولی و مقرب الٰہی کی حیثیت رسول، صاحبِ تشریع ہونے کی حیثیت سے اتم و کامل و اکمل ہے، گو تبلیغ احکام میں شانِ خلافت ہے۔

پس اگر کسی اہل اللہ سے سنو یا کسی سے یہ قول نقل کیا جائے (کہ) الولایۃ اعلیٰ من النبوۃ، {یعنی} ولایتِ (نبی)، نبوتِ (نبی) سے اعلیٰ ہے، تو اس کے معنیٰ وہی ہیں جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ یعنی پیغمبر کی حیثیتِ قرب و معیت اور علم و معرفت، حیثیتِ تبلیغ و ناموس و احکام سے اعلیٰ ہے۔ یا کوئی یہ کہے کہ ولی کا مرتبہ نبی و رسول کے مرتبے سے اعلیٰ ہے، (تو) اس سے ایک ہی شخص کی دو حیثیتیں (اور) دو اعتبار مراد ہیں۔ یعنی رسول اس لحاظ سے کہ وہ ولی (اور) مقرب درگاہ عزت ہیں، اس لحاظ سے کہ نبی و رسول ہیں، اعلیٰ و افضل ہیں۔ اس کے ہرگز یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ ولی تابع، نبی متبوع سے، جو ضرور ولی بھی ہوتا ہے، اعلیٰ و اتم ہے۔

اس لیے کہ تابع اپنے متبوع کے مرتبے کو ہر گز نہیں پہنچ سکتا، جس امر میں کہ وہ تابع ہے۔ کیوں کہ اگر تابع متبوع سے بڑھ جائے یا اس کو ملالے تو تابع ہی کب رہا۔! بہر حال رسول و نبی، صاحبِ شرع کا مرجعِ ولایت و علم ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ؐ کو فرماتا ہے کہ، زیادتِ علم کی دعا کرو، نہ کہ غیر علم کی۔ اللہ تعالیٰ بطور امر کے فرماتا ہے، وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا، (یعنی) تم کہو اے پروردگار میرا علم زیادہ کر (طٰہٰ:۱۱۴)۔ کیوں کہ علم کے ساتھ قرب وولایت کی ترقی ہوتی ہے۔ انقطاع و ختم نبوت ورسالت کی وجہ کیا ہے۔۔؟ (کیا) تم کو معلوم ہے کہ شرع کیا ہے۔۔؟ اعمالِ مخصوصہ کے متعلق امر یا نہی۔ اس کی جگہ تو یہی دارِ دنیا ہے جو دارالعمل ہے۔ دنیا ختم، تو اوامر و نواہی بھی ختم۔ ولایت کا حال ایسا نہیں ہے۔ اگر ولایت کسی طرح ختم ہو جاتی تو ولی کا نام ہی نہ رہتا، اور علم و معرفت اور قرب و تجلیات کا دروازہ بھی بند ہو جاتا۔ ولی کا نام تو اللہ کے لیے باقی رہے گا ہی، بندوں کے لیے بھی نام ولی باقی رہے گا (مگر) باعتبار تخلیق باخلاق الٰہی کے۔ بعد فنا فی الافعال والصفات کے اور باعتبار تحقق کے، یعنی فنا فی الذات کے اور باعتبار تعلق کے یعنی بقا باللہ اور بعد الفنا کے۔ پس قول اللہ تعالیٰ کا عزیر علیہ السلام کو {کہ اگر تم سرّ قدر کے سوال سے باز نہ آؤ گے تو تمھارا نام دفتر انبیا سے مٹادوں گا} کے معنیٰ یہ ہیں کہ ماہیتِ قدر، تجلی سے (اور) کشف کے ذریعے تم کو معلوم کرائی جائے گی، اور اُس وقت حیثیتِ رسول و نبی اور یہ نام تمھارے لیے نہ رہیں گے، بلکہ صرف ولایت و قرب رہے گا۔

مگر چوں کہ ظاہری قرینہ دلالت کرتا ہے کہ یہ خطاب بطور وعید (یعنی دھمکی) کے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حالت، قرینہ (یا اصول) بن گئی ہے اُس خطاب کے لیے کہ وہ وعید ہے {بعض خاص مراتب ولایت کے اس دار دنیا میں سے زائل ہونے کی وجہ سے}۔ اس لیے کہ نبوت ورسالت، ولایت کا ایک خاص ممتاز مرتبہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اس ولی سے اعلیٰ ہے جس کے پاس نہ نبوتِ تشریعی ہے نہ رسالت۔ جب اس حالت کے ساتھ ایک اور حالت قرینہ بن گئی ہو جس کی مرتبۂ نبوت مقتضی ہو، تو ثابت ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول وعدہ ہے، وعید نہیں ہے۔۔۔ اور یہ کہ عزیر علیہ السلام کا سوال مقبول ہے۔ نبی، ولیِ خاص ہی تو ہے۔ ذرا اس قرینۂ حال پر بھی غور کرو کہ نبی، جس کے لیے ولایت کا مرتبہ درجۂ خاص ہے، محال ہے کہ وہ کسی امر کے لیے اقدام کرنے کی جرأت کرے جس کو وہ جانتا ہے کہ یہ اللہ کے پاس مکروہ ہے یا محال ہے، یا ناممکن الحصول ہے۔

جس شخص کے پاس یہ قرائن مجتمع و ثابت ہوں گے وہ ضرور اس خطابِ الٰہی کو جو اس قول میں ہے، لامحونّ اسمک من دیوان النبوۃ، [(یعنی) تمھارا نام دفترِ انبیا سے نہ مٹاؤں گا] محلِ وعدہ پر محوّل کرے گا نہ کہ وعید پر۔ اور یہ خبر عزیر علیہ السلام کے باقی رہنے والے علو مرتبت (یعنی اعلیٰ مقام) پر دلالت کرے گی۔ اور وہی مرتبۂ ولایت، انبیا و رسل کے لیے آخرت میں باقی رہے گا۔ آخرت، محلِ تبلیغ و شرع نہیں ہے بلکہ دار الجزا ہے۔ کوئی شرع کی اتباع کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گا۔ کوئی عدم اتباع کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہو گا۔۔۔ یہ سلسلۂ تبلیغ کب تک رہے گا۔۔؟ جنت و دوزخ میں داخل ہونے تک۔ مطلق ختم رسالت کو ہم نے جنت و دوزخ میں داخل ہونے تک مقید کر دیا۔ کیوں کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ اصحابِ فترات {یعنی وہ لوگ جو تعلیم انبیا مفقود ہونے کے زمانے میں تھے}، یا اطفالِ صغار (چھوٹے بچے) یا مجانین (دیوانے لوگ)۔۔۔ بہر حال جن کو نہ تبلیغ ہوئی اور نہ اس کے قبول کرنے کے قابل تھے، یہ لوگ ایک میدان میں جمع کیے جائیں گے تا کہ ان پر عدل و انصاف قائم کیا جائے، مجرم سے مواخذہ کیا جائے اور نیک عمل کا جنتیوں کو ثواب دیا جائے۔

جب یہ لوگ عامۃ الناس سے الگ الگ میدان میں جمع کیے جائیں گے تو ان میں سے ایک بہتر شخص نبی بنایا جائے گا اور اس روز کے مبعوث و فرستادہ نبی کے ساتھ دوزخ متمثل و نمایاں ہو گی۔ پھر وہ شخص کہے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ بعض لوگ اس کی تصدیق کریں گے اور بعض تکذیب۔ وہ ان لوگوں کو حکم دے گا (کہ) اس آگ میں یعنی دوزخ میں اپنے آپ کو گرا دو۔ جس نے میری اطاعت کی اس کو نجات ملے گی اور جنت حاصل ہو گی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی، میرے حکم کی مخالفت کی وہ ہلاک ہو گا، دوزخی ہو گا۔

اس نبی کے حکم کو جس نے بجالایا اور دوزخ میں کود پڑا وہ خوش نصیب ہوا۔ ثوابِ عمل حاصل کرے گا اور آگ کو 'برداً و سلاماً' پائے گا، یعنی وہ آگ ان پر سرد اور سلامت رکھنے والی ہو جائے گی۔ اور جس نے نافرمانی کی وہ دوزخ میں داخل ہو گا اور مخالفِ نبی اپنے عمل سے جاگزینِ دوزخ ہو گا۔ یہ تمام انتظام اللہ تعالیٰ اس لیے فرمائے گا کہ اپنے بندوں میں عدل قائم کرے۔ یہ بھی ایک قسم کی تبلیغ کی شکل ہے۔ یَوْمَ یُکْشَفُ عَن سَاقٍ وَیُدْعَوْنَ إِلَی السُّجُودِ فَلَا یَسْتَطِیعُونَ، {یعنی} اس دن کہ ساق یعنی پنڈلی کھولی جائے گی {یعنی ابتدائی تجلی ہو گی یا آخرت کے امور میں سے ایک امر عظیم اور بڑی اہم چیز ظاہر ہو گی} اور لوگ

سجدے کے لیے بلائے جائیں گے [تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے، (القلم:۴۲)]۔۔۔۔ شیخؒ کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک تشریع ہے، تبلیغ ہے۔ بعض کو سجدے کی استطاعت و قدرت ہو گی (اور) بعض کو نہ ہو گی۔ جس طرح کہ دنیا میں بعض اشخاص نے فرمانِ الٰہی کی اطاعت نہ کی۔ اتنی ہی تبلیغ و تشریع سے روزِ قیامت قبل دخولِ جنت و دوزخ باقی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ انقطاعِ تکلیف (یعنی تکلیف کے دور ہو جانے) اور ختم مطلق تبلیغ (یعنی لوگوں میں نیکی کی طرف بلانے کا سلسلہ ختم ہو جانے) کو ہم نے دخولِ جنت و دوزخ سے مقید کیا۔

والحمد للّٰہ رب العالمین

(اور سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو ساری کائنات کا رب ہے)

Siddiqui Publications